دعا کریں اللہ تعالیٰ بنی نوع انسان اور ہمارے ملک کیلئے رحمت اور استحکام کے سامان پیدا کرے

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۱۶ / مارچ ۱۹۷۳ء بمقام مسجد اقصیٰ ربوہ)

تشہد وتعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور انور نے فرمایا:-

پچھلے دنوں مجھ پر فُلو کا بڑا حملہ ہؤا تھا جو کئی دن تک رہا۔ اللہ تعالیٰ نے فضل فرمایا۔ اس کی شدت تو دُور ہوگئی ہے لیکن بیماری کے کچھ آثار ابھی باقی ہیں۔ فلو کے بعد ضعف بہت ہو جاتا ہے چنانچہ اس وقت بھی ضعف ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے کچھ کہنے کی طاقت عطا فرمائے۔ دوستوں سے باتیں کرنے کو دل چاہتا تھا اس لئے میں یہاں آگیا ہوں۔ شاید بہت ہی مختصر سا خطبہ دے سکوں گا۔ چند ضروری باتیں مختصراً کہنا چاہتا ہوں۔ (زیادہ تفصیل کی ہمیشہ ضرورت بھی نہیں ہوتی) اوّل یہ کہ احمدیت کے باہر بنی نوع انسان دو گروہوں میں منقسم نظر آتے ہیں۔ ایک وہ لوگ ہیں جنہوں نے ہلاکت کے سارے سامان اکٹھے کر لئے ہیں اور انسان کے لئے باہمی اخوت کا کوئی جذبہ بظاہر اُن کے دلوں میں باقی نہیں رہا۔ دوسرے وہ لوگ ہیں جو خوف سے دھڑکتے دلوں کے ساتھ انفرادی اور اجتماعی زندگی گذار رہے ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ انسان اس وقت بحیثیت انسان بڑے خطرے میں ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل کے سوا کوئی چیز اُنہیں انتہائی خطرناک تباہی سے بچا نہیں سکتی۔ اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی رحمت تو اعمال صالحہ اور عاجزانہ دعاؤں سے جذب کی جاتی ہے۔ اس لئے دوست دُعا کریں کہ اللہ تعالیٰ بنی نوع انسان کے لئے رحمت کے سامان پیدا کرے اور جس خطرہ میں انسان آج

خود کو پا رہا ہے وہ خطرہ دور ہو جائے اور اُسے جملہ پریشانیوں اور گھبراہٹوں سے نجات مل جائے۔ ہمارے ملک میں بھی فتنہ اور فساد زوروں پر ہے۔ دوست دعا کریں ملک کی مضبوطی اور استحکام کے سامان پیدا ہوں اور اللہ تعالیٰ ہم عاجز بندوں کو اپنی ذمہ داریوں کو نباہنے کی توفیق عطا کرے جو اُس نے ہمارے کمزور کندھوں پر ڈالی ہیں۔ ربوہ میں درخت لگانے کا کام میری غیر حاضری میں ہُوا۔ جہاں تک درخت لگانے کا سوال ہے اچھا کام ہوگیا ہے۔ شروع میں مجلس صحت کے کنوینر چوہدری بشیر احمد صاحب کی رپورٹ تھی کہ اُنہوں نے تین ہزار درختوں کے لگانے کا انتظام کیا ہے۔ مَیں نے اُنہیں کہا تین ہزار نہیں دس ہزار درخت لگنے چاہئیں۔ چنانچہ اُن کی رپورٹ یہ ہے کہ آٹھ دس ہزار پودے لگ چکے ہیں (یہ دو تین دن پہلے کی رپورٹ ہے ممکن ہے کچھ اور بھی لگ گئے ہوں) اور کل چودہ ہزار درختوں کے حصول کیلئے کوشش کی جارہی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ جتنا اُن کا پہلا اندازہ تھا اہل ربوہ نے اس سے قریباً چار گنا زیادہ پودے حاصل کئے اور لگائے ہیں۔ جو درخت لگائے جاتے ہیں اُن میں بالعموم پچیس فیصد جڑ نہیں پکڑتے بعض کی تو کونپلیں نکلتی ہی نہیں۔ بعض کی نکل کر مر جاتی ہیں۔ جو درخت اپنے تنے پر کھڑے ہو جاتے ہیں اُن کو بعض ناواقف انسان کھڑے دیکھنا پسند نہیں کرتے مثلاً بچے ہیں یا بعض بڑے لوگ بھی ہوتے ہیں۔ مَیں نے دیکھا ہے بعض اچھے سمجھدار لوگوں کو بے خیالی میں اُنگلیاں چلانے کی عادت ہوتی ہے۔ درخت کے پاس کھڑے کھڑے اس کی ٹہنی توڑ دیں گے۔ انہیں یہ احساس ہی نہیں ہوگا کہ وہ درختوں کا نقصان کر رہے ہیں اس لئے مَیں نے یہ اعلان کر دیا تھا کہ (مجھے پتہ لگا ہے کہ وہ اعلان تمام محلوں میں ہوگیا ہے) کہ جہاں تک شجر کاری کے اس منصوبہ کا تعلق ہے اس میں کامیاب ہونے کے لئے ۴۰ فیصد نمبروں کی ضرورت ہے۔ یعنی جتنے درخت کوئی محلّہ لگائے اس کا کم از کم ۴۰ فیصد اُسے ضرور پالنا چاہیئے جو محلے کم از کم ۴۰ فیصد درخت پالنے میں کامیاب ہو جائیں گے اور پھر اُن محلوں میں جو اوّل نمبر پر آئے گا (مثلاً کسی نے پچپن فیصد پال لئے کسی نے ساٹھ فی صد پال لئے کسی نے اکسٹھ فیصد پال لئے) اس کو پانچ صد روپیہ انعام ملے گا تاہم یہ کسی فرد کا انعام نہیں ہوگا بلکہ اُس محلّہ کو اپنی اجتماعی زندگی کو مزید بہتر بنانے کے لئے ملے گا۔

مَیں اس موقع پر اُن لوگوں سے بھی کہنا چاہتا ہوں جنہوں نے بھیڑ بکریاں پالی ہوئی ہیں اور وہ اپنے بھائیوں کے لئے گوشت مہیّا کرتے ہیں۔ اُن کیلئے بھی غالبًا اعلان ہو چکا ہے۔ ان کو اس بات کا خیال رکھنا چاہیئے کہ اگر وہ گوشت سے مدد دیں لیکن درختوں کے ذریعہ جو صحت قائم ہوتی ہے۔ اُسے قائم رکھنے میں مدد نہ دیں تو ربوہ کا مکین کمزور ہو جائے گا۔ اس صورت میں اگر وہ گوشت کھائے گا جو انہوں نے بازار میں بیچا اور اس نے خریدا تو اس کا اچھا نتیجہ نہیں نکلے گا۔ اس لئے کسی بھیڑ بکری کے مالک کو یہ اجازت نہیں دی جا سکتی کہ وہ شجر کاری کی اس مہم میں روک بنے۔

مَیں نے پہلے بھی بتایا تھا۔ جب میں کالج کا پرنسپل تھا اور نیا نیا کالج یہاں آیا تھا تو ایک دفعہ ایک آوارہ بکرا ہمارے اڑھائی تین سو روپے کے پودے کھا گیا جو گملوں میں تھے اور کالج کے احاطہ میں لگائے جانیوالے تھے میں نے چوکیدار سے کہا کہ تم ذمہ دار ہو یا تم پیسے دو یا وہ بکرا دو جس نے پودے کھائے ہیں۔ اگلے دن وہ بکرا پھر آ گیا۔ چوکیدار نے پکڑ لیا۔ چونکہ وہ آوارہ اور لاوارث تھا اس لئے مَیں نے چُھری منگوائی اور اس کو ذبح کر دیا۔ ایک مہینے تک وہ بکرا ہمارے خیال میں لاوارث رہا۔ مَیں نے سمجھا شاید باہر سے آیا تھا اور آوارہ پھر رہا تھا (اُن دنوں ہمارے اس علاقہ میں سیلاب بھی آیا ہوا تھا) مگر ایک مہینے کے بعد ربوہ کے ایک صاحب آ گئے اور کہنے لگے میرا بکرا یہاں آیا تھا۔ مَیں نے کہا آیا تھا کہنے لگے پھر وہ مجھے دے دیں۔ مَیں نے کہا۔ کہاں سے دوں وہ تو آوارہ سمجھا گیا اور ذبح کیا جا چکا ہے پہلے تو وہ سمجھے نہیں لیکن مَیں نے جب اسے بتایا کہ مَیں سنجیدگی سے باتیں کر رہا ہوں تو وہ مجھے کہنے لگا آپ کو کیا حق تھا کہ میرا بکرا ذبح کریں۔ مَیں نے کہا ذبح تو آوارہ سمجھ کر کیا گیا تھا مگر مَیں مانتا ہوں کہ مجھے کوئی حق نہیں تھا کہ تمہارا بکرا ذبح کروں۔ مَیں یہ تسلیم کرتا ہوں اور تم یہ تسلیم کرو کہ تمہارا کوئی حق نہیں تھا کہ اپنے بکرے کو آوارہ چھوڑ دو اور کالج کا اڑھائی تین سو روپے کا نقصان کرواؤ۔ مَیں تو جھگڑا نہیں کرتا عاجز بندہ ہوں۔ تم جس کو مرضی ثالث بنا کر لے آؤ۔ لیکن احتیاطاً کچھ روپے ساتھ لے آنا اگر تمہارے بکرے نے کالج کا زیادہ نقصان کیا ہو تو روپے دے جانا۔ اگر تمہارے بکرے کی قیمت تمہارے مقرر کردہ ثالث نے زیادہ بتائی تو جتنا ہمارا نقصان ہے اس

سے جو زائد ہوگا وہ کالج تمہیں دے دیگا۔اس میں جھگڑنے کی کیا بات ہے۔پس ربوہ میں بکریاں پالنے والے دوستوں سے مَیں یہ کہتا ہوں کہ اگر کسی محلّہ میں ان کی آوارہ بھیڑ بکریوں نے پودوں کا نقصان کیا اور محلے والوں نے پانچ دس بکرے ذبح کر کے کھالئے تو اس کا اسی اصول پر فیصلہ ہوگا جس کا میں نے ابھی اظہار کیا ہے۔ یہ تو ٹھیک ہے کہ محلے والوں کا یہ حق نہیں ہے مگر بکرے والوں کا بھی یہ حق نہیں ہے اس لئے ہم بکرے والوں سے کہیں گے ثالث لے آؤ اور جو فرق ہے (یعنی پودوں کے نقصان اور بکرے کی قیمت کے درمیان) وہ تم لے جاؤ۔ہم کسی پر ظلم نہیں کرنا چاہتے۔مگر پودوں کا نقصان بھی نہیں دیکھ سکتے جس طرح بکرے والے کا یہ کہنا حق ہے کہ اس کا حق نہ چھینا جائے۔اسی طرح محلے والوں کا یہ کہنا بجا ہے کہ محلے کا حق نہ چھینا جائے دوستوں کو احتیاط برتنی چاہیئے۔یہ اصول قائم ہو چکا ہے۔ہم اس کے مطابق فیصلے کردیں گے نہ بکری والوں کا نقصان ہوگا اور نہ محلے والوں کا۔ انجان بچے بھی پودوں کا نقصان کرتے ہیں۔ گو بکریوں سے تو وہ بہرحال زیادہ عقل اور ہوش رکھتے ہیں لیکن چونکہ ابھی وہ شعور اور عقلی بلوغت کو نہیں پہنچے ہوتے اس لئے پودوں کا نقصان کرتے ہیں۔اس کے متعلق میرے ذہن میں ایک تجویز آئی تھی لیکن وہ مَیں بتانا نہیں چاہتا۔آپ خود سوچیں۔ تاہم کسی بچے کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ کسی درخت کو نقصان پہنچائے یہ بات اپنی جگہ درست ہے۔نہ کسی محلے والے کا یہ حق ہے کہ وہ بچے کو مارے یہ بات بھی اپنی جگہ درست ہے۔ جہاں تک بچوں کو مارنے کا سوال ہے اس کے ساتھ بکری والا معاملہ نہیں کیا جائے گا۔ بچے کو تو بہرحال حفاظت ملنی چاہیئے۔اس لئے اس کو کوئی مارے گا نہیں لیکن یہی حفاظت اس کے باپ یا سرپرست کو نہیں دی جاسکتی اس کو کوئی نہ کوئی سزا ملنی چاہیئے۔

ہر درخت بڑا ہونے میں اور اس عمر اور اس قد اور پھیلاؤ تک پہنچنے میں کہ وہ مفید ہو وقت لیتا ہے۔اس پر خرچ کرنا پڑتا ہے خواہ وہ درخت مفت لے کر ہی کیوں نہ لگایا گیا ہو۔ خرچ کے علاوہ ہم نے آپ کو کہا درختوں کو پانی دیں اُن کا خیال رکھیں۔گوڈی کریں۔اس پر وقت صرف ہوتا ہے ایک احمدی کے وقت کی بڑی قیمت ہے اگرچہ ایک احمدی کے ایک گھنٹے کی قیمت بھی بہت زیادہ ہے لیکن اگر کم از کم پندرہ بیس روپے لگائی جائے تو اتنے پیسے اُس شخص کو

دینے پڑیں گے جس کے بچے نے درخت کو نقصان پہنچایا ہوگا لیکن جبر کوئی نہیں۔ یہ بات بھی اپنی جگہ درست ہے کہ ہم کسی پر جبر نہیں کرتے ایسے شخص کے لئے دو راہوں میں سے ایک راہ کھلی ہے یا تو وہ محلّہ کا مقرر کردہ جرمانہ ادا کرے۔ یا اگر وہ یہ سمجھتا ہے کہ یہ جبر ہے ظلم ہے اور سختی ہے تو اس کی بھلائی اسی میں ہے کہ وہ ربوہ چھوڑ کر چلا جائے پھر اس کو یہاں رہنا نہیں چاہیئے۔ ہم جبر نہیں کرتے لیکن ہم اس کو بھی جبر کی اجازت نہیں دے سکتے کہ وہ کہے کہ مَیں یہاں رہوں گا بھی اور کسی درخت کو میرے بچے چھوڑیں گے بھی نہیں۔ خراب کرتے جائیں گے اس کی اجازت تو نہیں دی جاسکتی۔ ہر محلے کو چاہیئے کہ وہ آج اپنی اپنی مسجد میں شام کے وقت یا مغرب یا عشاء کے بعد مشورہ کرے کہ بچوں کی تربیت کے لئے کیا قدم اٹھایا جانا چاہیئے۔ بچوں کی تربیت کا بہرحال خیال رکھا جانا چاہیئے کیونکہ آگے چل کر جماعت کے بوجھ انکے کندھوں پر پڑنے والے ہیں جنہوں نے ساری دنیا کی تعمیر نَو کرنی ہے۔ ظاہر ہے وہ درختوں کی تخریب نہیں کریں گے۔ یہ امر صحیح تربیت کا متقاضی ہے لیکن اگر ماں باپ بچوں کی صحیح تربیت نہیں کریں گے تو انکی غفلتوں کو نظر انداز نہیں کیا جائے گا۔ میں کچھ کنوؤں کے متعلق بھی کہنا چاہتا ہوں درختوں کے لئے پانی کی ضرورت ہے بعض محلوں میں پانی کی کمی تھی تو میں نے کہا آؤ ملکر کام کریں محلے والے رضا کارانہ طور پر کچھ کام کریں کچھ جماعت اُن کو مدد دے۔ چنانچہ شروع میں دو محلوں میں بجلی کے ٹیوب ویل کا انتظام ہوا۔ بعد میں تیسرا محلّہ بھی اس انتظام میں شامل ہُوا میرے نزدیک محلّہ دارالعلوم نے ٹھیک کام کیا ہے۔ وہاں ہم نے پانچ ہزار سے کم خرچ کیا۔ مجھے آج ہی رپورٹ ملی ہے کہ شاید آج یا کل بجلی کا کنکشن مل جائے گا۔ محلّہ الف میں یہ کام مکمل نہیں ہوسکا۔ محلے والوں کا قصور نہیں ہمارے منتظمین کا قصور ہے۔ سکیم یہ تھی کہ محلے رضا کارانہ طور پر اپنے ہاتھ سے بہت سے کام کریں اور کچھ تھوڑا سا جماعتی خزانہ سے پیسہ لگا کر اور جماعت کی مدد سے ٹیوب ویل لگائے جائیں۔ اس کی بجائے منتظمین نے صرف ٹینکی کا اندازہ پچاس ہزار روپے لگایا ہے۔ میں نے ان سے کہہ دیا ہے کہ اس مرحلے میں کسی کنوئیں پر پانچ ہزار روپے سے زیادہ خرچ نہیں کیا جاسکتا۔ جب آپ کو دُنیا کے خزانے مل جائیں گے تو آپ پچاسی ہزار کی بجائے پچاسی لاکھ خرچ کریں گے تو اس سے آپ کو کوئی نہیں

روکے گا لیکن آج کے حالات میں اصل زور ہاتھ سے کام کرنے پر ہے ہمارا دل کرتا ہے کہ جماعت بحیثیت مجموعی بھی ان کی اس کوشش میں شامل ہو اس لئے اگر یہ محلّہ پانچ ہزار روپے اکٹھے نہیں کرسکتا جس کی وجہ سے بجلی کا پمپ خریدنے یا بورنگ پر خرچ کرنے میں مشکل پیش آرہی ہے تو چار پانچ ہزار روپیہ ہم دے دیں گے۔ تا کہ یہ محلّہ پانی کے لحاظ سے اپنے پاؤں پر کھڑا ہو جائے۔ الف محلے میں پانی بھی بہت اچھا ہے ان کو مَیں نے کہا ہے کہ پہلے مجھے موقع دکھاؤ پھر سکیم اور اس پر اخراجات کا اندازہ مَیں خود لگاؤں گا۔ سر دست پانچ ہزار سے زیادہ خرچ کرنے کے لئے میں تیار نہیں ہوں۔ باقی جو ضرورتیں ہیں وہ آہستہ آہستہ پوری ہوتی رہیں گی۔ ۱۹۴۷ء کے بعد گویا پچھلے ۲۴۔۲۵ برس میں تو یہ ضرورت بھی پوری نہیں ہوئی تھی۔ اب ایک کام شروع ہوا ہے تو پہلے دن ہی جماعت پر مستقبل کا بوجھ نہ ڈالیں۔

جیسا کہ مَیں نے بتایا ہے کہ تیسرا محلّہ بھی اس سکیم میں شامل ہوا ہے اور وہ محلّہ دارالصدر غربی (حلقہ مسجد قمر) ہے جس نے اس کام کیلئے جو تخمینہ لگایا وہ نو ہزار روپے کا تھا۔ میں سمجھتا ہوں نو ہزار روپے کی ابھی وہاں ضرورت نہیں ہے۔ میں نے یہ اصول بنا دیا ہے کہ جماعت پانچ ہزار روپے تک امداد کرے گی اس کے علاوہ جو خرچ ہے وہ محلّہ اپنے ہاتھ کی محنت سے یا آپس میں مل کر حسبِ توفیق چندہ جمع کرلے، ہم پانچ ہزار تک دیں گے، لیکن ایسی سکیم نہیں بننے دیں گے جس میں اسراف پایا جائے اس گناہ میں ہم ملوث نہیں ہوں گے۔ اسراف گناہ ہے جس میں جماعت ملوث نہیں ہونا چاہتی۔ پس دارالعلوم کو پانی مل جائیگا محلّہ الف میں بھی انشاء اللہ انتظام ہو جائے گا۔ آخری بات مَیں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ جیسا کہ میں نے بتایا ہے جماعت کو ہاتھ سے کام کر کے پیسے بچانے چاہئیں اس میں بڑی برکت ہوتی ہے۔ آپ جانتے ہیں ان دنوں پریس کی عمارت زیر تعمیر ہے اس میں ۱۰۰×۶۰ فٹ کا دومنزلہ ہال ہے۔ اس کی منزل سطح زمین سے نیچے ہے۔ اس کا کچھ حصہ اُوپر آئے گا اس پہلی منزل کی کھدائی کا آٹھ دس ہزار روپے کا اندازہ لگایا گیا تو میں بڑا پریشان ہُوا۔ میں نے بڑی دعا کی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ رقم بچانے کا منصوبہ بتایا۔ ہمارے ربوہ میں اٹھارہ سے زیادہ محلے ہیں۔ اگر فی محلّہ چھ انچ کھدائی کر دے تو اٹھارہ محلے نو فٹ کھدائی کریں گے چھ انچ کھدائی کوئی مشکل بات نہیں۔ ہر ایک محلّہ

چھ انچ کھدائی کرتا جائے تو ہمارا آٹھ دس ہزار روپیہ بچ جائے گا اور وہ اشاعتِ قرآن میں آپ کی طرف سے کنٹری بیوشن (Contribution) یعنی عطیہ متصور ہوگا۔ دراصل اس پریس کے قیام کی غرض یہی ہے کہ قرآن کریم سستا طبع ہوکر دُنیا میں تقسیم ہو۔ سستی طباعت کے لئے ضروری ہے کہ جو اوور ہیڈ چارجز (Over head charges) ہیں یعنی عمارت وغیرہ کے خرچ ہیں وہ جہاں تک ممکن ہو کم کئے جائیں۔ بعض چیزیں ہیں جو کم کرنی ممکن نہیں ہوتیں مثلاً ہم چاہتے ہیں کہ پرنٹنگ کی بہترین مشینری ملے اب اگر کوئی آ کر کہہ دے کہ آپ نے کہا ہے کم خرچ کرنا ہے۔ لنڈے بازار میں چار ہزار روپے کی مل رہی ہے آپ نے بیس ہزار روپے کیوں خرچ کر دیا۔ تو مَیں کہوں گا کہ لنڈے بازار کی چار ہزار کی مشین ہمیں نہیں چاہیئے۔ اس واسطے کہ جہاں تک میرے جذبات کا تعلق ہے میری غیرت یہ گوارا نہیں کرتی اور نہ آپ کی غیرت گوارا کرے گی کہ انسان اشاعت قرآن کے لئے لنڈے بازار کی چار ہزار کی مشینری لگائے اور اشاعت بائبل کے لئے ایک دوسرا گروہ دس لاکھ کی مشینری لگائے پس قرآن کریم کی اشاعت کے لئے چیز تو بہترین ہوگی۔ لیکن بہترین چیز کا حصول نسبتاً کم دام پر بھی ممکن ہے اور اسی چیز کا حصول نسبتاً زیادہ پیسے خرچ کر کے بھی ہوتا ہے ہمیں نسبتاً کم دام خرچ کرنے چاہئیں اس طرح وقارِعمل کے ذریعہ ہم آٹھ دس ہزار روپیہ بچالیں گے۔ جس کا مطلب ہے کہ اس طرح اس پریس کی ایک چھوٹی درآمد شدہ مشین کی قیمت نکل آتی ہے یا ایک کمرے کا خرچ نکل آتا ہے۔

پس آج مَیں اس کا اعلان کر رہا ہوں یہ سکیم تمام محلوں میں آجائے گی ۱۰۰×۶۰ فٹ رقبہ میں چھ انچ مٹی اٹھانا کوئی ایسا بڑا کام نہیں ہے کہ ایک محلے کے حصہ میں ۳½ ہزار فٹ مٹی کی کھدائی آتی ہے بعض دفعہ خدام الاحمدیہ کے وقارِعمل کی رپورٹ میں سات آٹھ ہزار فٹ مٹی اٹھانے کا ذکر ہوتا ہے۔ غرض یہ ایک سکیم ہے جو آپ کے سامنے آجائے گی مجھے یقین کامل ہے کہ آپ بشاشت اور خوشی سے اس میں حصہ لیں گے۔ اور اشاعت قرآن کے خرچ کو تھوڑا سا کم کر دیں گے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی توفیق عطا فرمائے۔

(روزنامہ الفضل ربوہ ۱۶/ اگست ۱۹۷۳ء صفحہ ۲ تا ۴)